حافظ محمد فیصل علی

لیکچرار اردو، آدم جی گورنمنٹ سائنس کالج، کراچی

حنیف نقوی کی تحقیق: اُصول و اسلوب

Abstracts

Hanif Naqvi's Research: Principle and Approach

By Hafiz Muhammad Faisal Ali, Lecturer Urdu, Adamjee Govt. Science College, Karachi

Professor Syed Hanif Ahmed Naqvi was a distinguished scholar, critic, and authority on Ghalib studies, contributing significantly to the field of Urdu literature and research. This study explores his scholarly contributions, highlighting his expertise in biographical writing, research principles, and Ghalib studies. Naqvi emphasized integrity, meticulous fact-finding, and objective analysis in research, setting new benchmarks for Urdu literary scholarship. His works include groundbreaking articles, research papers, and edited volumes, which enriched the academic repository of Urdu literature. Naqvi's principles of research, focusing on credibility, comprehensive study, and methodical analysis, remain instrumental for future researchers. His publications not only elevated the standards of research but also provided a structured approach to understanding literary texts. By bridging classical traditions with modern methodologies, Naqvi has left a lasting legacy that continues to guide scholars in the field of Urdu research. This paper examines his major works and the enduring impact of his academic practices, portraying him as a beacon of excellence in Urdu literary studies.

Keywords: Syed Hanif Ahmed Naqvi, Urdu Literature, Ghalib Studies, Research Methodology, Biographical Writing, Urdu Research Principles.

کلیدی الفاظ: سید حنیف نقوی، اردو ادب، مطالعہ غالب، اصولِ تحقیق، سوانحی ادب

پروفیسر سید حنیف احمد نقوی اردو ادب کے ممتاز محقق، نقاد، اور غالب شناس تھے جنھوں نے تحقیق و تدوین کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۶ کو سہسوان، ضلع بدایوں (اتر پردیش) میں پیدا ہونے والے حنیف نقوی نے ۱۹۶۸ میں وکرم یونیورسٹی اجین سے اردو میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے اپنی تدریسی خدمات کا آغاز کیا اور ۱۹۷۰ میں بنارس ہندو یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے منسلک ہوئے، جہاں انھوں نے تین دہائیوں تک اردو زبان و ادب کی خدمت کی اور ۳۱ دسمبر ۲۰۰۰ کو ریٹائر ہوئے۔[1] پروفیسر حنیف نقوی کو غالب شناسی میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی، اور اس میدان میں ان کے تحقیقی کارنامے ناقابل فراموش ہیں۔ ان کا تذکراتی تحقیق میں ایک باوقار مقام تھا، اور ان کی تحقیق و تدوین کے کام کو سند کا درجہ حاصل ہے۔ ان کے مقالات، مکتوبات، اور تبصرے اردو ادب کے علمی سرمائے میں اضافے کا باعث بنے۔ انھوں نے اردو تحقیق کو نہ صرف مضبوط بنیاد فراہم کی بلکہ اس میں نئے زاویے بھی متعارف کرائے۔ پروفیسر حنیف نقوی نے ۲۲ دسمبر ۲۰۱۲ کو اپنے آبائی علاقے سہسوان، ضلع بدایوں میں ۷۶ برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان کی علمی و تحقیقی خدمات اردو ادب کے طلبہ، اساتذہ، اور محققین کے لیے ہمیشہ مشعلِ راہ رہیں گی۔ پروفیسر شمیم حنفی ان کے متعلق لکھتے ہیں:

> ”اپنے میلانِ طبع کے لحاظ سے حنیف نقوی صاحب ایک روایتی معلم اور محقق ہیں۔ انھوں نے تدریس و تعلیم کے مشغلے میں ایک عمر گزار دی اور ہر محاذ پر اپنا اعتبار محفوظ اور مستحکم رکھا۔ تحقیق و تنقید اور تعلیم و تدریس کی دنیا میں کیسے کیسے چراغ بجھتے چلے گئے اور اب اس دنیا، خاص طور پر اردو زبان و ادب کے پس منظر میں اس دنیا کے حال پر نظر ڈالی جائے تو ہر طرف عبرت کا سامان دکھائی دیتا ہے۔ چور اچکے، جعل ساز، دنیا طلبی کے فن میں طاق اور علم و ادب سے یکسر بیگانہ اور اساس مہیا کرنے والی اخلاقی اور تہذیبی قدروں سے محروم لوگوں نے ادھم مچا رکھی ہے۔ تھوڑا بہت سنبھالا جن اصحاب نے اس دنیا کو دے رکھا ہے وہ اقلیت میں ہیں اور حنیف نقوی صاحب اس اقلیتی گروہ میں بھی الگ سے پہچانے جاتے

ہیں۔ انھوں نے کسی بھی سطح پر نہ تو آج کی دنیا کے چلن کو قبول کیا، نہ جھوٹی شہرت اور مقبولیت کے پھیر میں پڑے، نہ کبھی مفاہمت کا رویہ اختیار کیا"۔[۲]

حنیف نقوی نے اوائل ۱۹۵۶ سے اواخر ۲۰۱۲ تک کی ۵۷ سالہ مدت میں مختلف موضوعات پر گہری تحقیق کی اور کثرت سے مضامین و مقالات تحریر کیے۔ ان کی تحقیقی سرگرمیوں کو چند اہم موضوعات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(الف) بحیثیت تذکرہ نگار (ب) بحیثیت غالب شناس (ج) بحیثیت سوانح نگار (د) بحیثیت محقق و مدون

حنیف نقوی نے مستقل تصانیف کے بجائے کثرت سے مضامین و مقالات لکھے۔ بعد میں انھوں نے مختلف مضامین اور مقالات کو کتابی صورت میں شائع کرایا۔ جو اپنی اہمیت کے پیش نظر شاید ہمیشہ کام آتے رہیں گے۔ دہلی سے شائع ہونے والے ماہنامہ ہماری زبان میں "پروفیسر حنیف نقوی کی تحریروں کا اشاریہ" مضمون میں ان کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مقالات کی فہرست شائع ہوئی تھی۔ حنیف نقوی کے مقالات کا اندازہ اس جدول سے لگایا جا سکتا ہے:

	کل تعداد مقالات	مصنف کے مرتبہ مقالات	غیر مرتبہ مقالات
تذکراتی تحقیق	۲۴	۸	۱۶
غالبیات	۵۲	۳۵	۱۷
تنقیدی مضامین	۱۲		۱۲
سوانحی تحقیق	۳۸	۲۳	۱۵
اصولِ تحقیق	۱۷	۱۵	۲
متفرقات	۱۷	۴	۱۳
	۱۶۰	۸۵	۷۵

پروفیسر حنیف احمد نقوی کی تصانیف میں "شعرائے اردو کے تذکرے" (۱۹۷۶)، "تلاش و تعارف" (۷ مقالات) (۱۹۸۷)، "انتخاب کربل کتھا (مع مقدمہ و فرہنگ)" (۱۹۸۳)، "انتخاب کلام رجب علی بیگ سرور" (۱۹۸۸)، "غالب احوال و آثار" (۷ مقالات) (۱۹۹۰)، "رائے بنی نرائن دہلوی (سوانح اور ادبی خدمات)" (۱۹۹۷)، "مرزا غالب کے پنج آہنگ کا قدیم ترین خطی نسخہ (عکسی اڈیشن)" (۱۹۹۷)، "دیوانِ ناسخ (عکسی اڈیشن)" (۱۹۹۷)، "آثارِ غالب (تصحیح و ترتیبِ جدید)" (۱۹۹۵)، "رجب علی بیگ سرور۔ چند تحقیقی مباحث" (۴ مقالات) (۱۹۹۱)، "حیات العلما (ترتیب و تدوینِ جدید)" (۲۰۱۰)، "تذکرۂ شعرائے سہسوان" (۲۰۱۰)، "میر و

مصحفی" (٦ مقالات) (۲۰۰۳)، "غالب کی چند فارسی تصانیف" (۹ مقالات) (۲۰۰۵)، "غالب کی فارسی مکتوب نگاری (نظام یادگاری خطبہ)" (۲۰۰۸)، "تحقیق و تدوین۔ مسائل اور مباحث" (۱۴ مضامین) (۲۰۱۰)، "غالب اور جہانِ غالب" (۱۵ مضامین و مقالات) (۲۰۱۲)، اور "تحقیق و تعارف" (۲۰ مضامین و مقالات) (۲۰۱۳) شامل ہیں۔

حنیف نقوی نے اپنے مختلف مقالات اور تصانیف میں تحقیق کے اصولوں پر مفصل بحث کی ہے، جو اردو ادب میں تحقیق کرنے والوں کے لیے رہنمائی فراہم کرتے ہیں اور تحقیق کے معیار کو بلند کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کے اصولوں کو ان کی تحریروں میں ایک منہج کے طور پر اپنایا گیا، جس کے ذریعے انھوں نے تحقیق کے عمل کو منظم اور مدلل بنایا۔ ان کی تحریروں میں یہ اصول نہ صرف موجودہ تحقیقاتی ماحول میں کارآمد ہیں، بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے بھی رہنمائی کا ذریعہ بنیں گے۔ ان کی تحقیق جابجا نئے حقائق کی انکشافات کا اظہار چیخ چیخ کر کر رہی ہوتی ہے۔

اردو کے نامور محقق اور ادیب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان تحقیق میں حقائق کی تلاش کے حوالے سے لکھتے ہیں

> "تحقیق کی روح اور جان تو یہی ہے کہ حقائق کی تلاش کی جائے اور اچھی طرح چھان بین کی جائے اور وہ بلاشبہ نامکمل ہے اگر تعبیر و تشریح کے ساتھ نہ ہو یا بالفاظ دیگر اگر اس کے ساتھ تنقید نہ ہو، تاہم حقائق کی تلاش کی خود اپنی ایک اہمیت ہے (گو کہ اس کے ساتھ تعبیر و تشریح کا عمل نہ بھی ہو) یہ پھر بھی غیر اہم چیز نہیں ہے۔ یہ پھر بھی افادیت رکھتی ہے۔ ہاں تحقیق کے بغیر تنقید گویا ٹیڑھی دیوار آسمان تک اٹھانا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ ہم تحقیق کو کسی طور غیر اہم نہ جانیں۔ وہ مکمل تحقیق ہے تو آفریں، جزوی تحقیق ہے تو پھر بھی غیر اہم نہیں۔"(۳)

حنیف نقوی نے تحقیق کے واضع اصول وضع کیے اور ان اصولوں کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے ان پر عمل کر کے اپنے کام کی ساکھ اور تاثیر کو مزید مستحکم کیا۔ ان کے تحقیقاتی اصولوں کی فہرست مندرجہ ذیل ہے، جو ان کی تصانیف اور مقالات میں واضح طور پر ملتی ہے:

۱۔ محقق کا بنیادی کام تاریخ کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک واضح اور مربوط تصویر پیش کرنا ہے تاکہ تہذیب و تمدن کا شعور اجاگر ہو اور علم و فن کی نئی راہیں متعین ہو سکیں۔

۲۔ تحقیق کا مقصد حقائق کی تلاش اور اعلان حق ہے، اس لیے محقق کے کردار میں دیانت داری، بے باکی، اور راست بازی جیسے اوصاف ضروری ہیں۔

۴۔ محقق کو ہر قسم کے ذاتی مفادات، تعصبات، اور ذہنی تحفظات سے بالاتر ہو کر تحقیق کرنی چاہیے تاکہ غیر جانبدار نتائج سامنے آسکیں۔

۵۔ تحقیق میں شک اور سوال اٹھانے کا مادہ ضروری ہے۔ اگر محقق کسی بات کو بلا چوں و چرا قبول کرے تو نئی دریافتوں کا راستہ رک جاتا ہے۔

۶۔ تحقیق میں جلد بازی اور آسان راستے اپنانے کی روش نقصان دہ ہے۔ کامیاب تحقیق کے لیے صبر، گہرائی، اور مستقل مزاجی ضروری ہیں۔

۷۔ تحقیق میں معمولی باتوں کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ بسا اوقات ایک چھوٹا سا نکتہ بڑے انکشاف کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔

۸۔ تحقیق کے دوران روایتی اور مسلمہ نظریات کی جانچ پڑتال ضروری ہے تاکہ وہ حقیقت کے معیار پر پورے اتر سکیں۔

۹۔ اگر تحقیق کے دوران کسی روایتی عقیدے یا شخصیت کے بارے میں نیا نقطۂ نظر سامنے آتا ہے تو اسے تخریب نہیں بلکہ علمی ترقی سمجھا جائے۔

۱۰۔ بزرگوں کی آراء کو بغیر سوال کیے قبول کرنا تحقیق کے اصولوں کے خلاف ہے۔ ہر نظریے کا معروضی تجزیہ ضروری ہے۔

۱۱۔ محقق کو ہمیشہ اصل ماخذات تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ مستند نتائج اخذ کیے جاسکیں۔

۱۲۔ تحقیق کے لیے موضوع سے متعلق تمام دستیاب مواد کا باریک بینی سے مطالعہ اور اس پر جامع غور و فکر ضروری ہے۔

۱۳۔ کوئی نیا نظریہ پیش کرنے یا کسی مسلمہ حقیقت کو رد کرنے سے پہلے محقق کو تمام پہلوؤں پر مکمل تحقیق کرنی چاہیے۔

۱۴۔ غیر معتبر دلائل کے سہارے نئی دریافتوں کا دعویٰ کرنا تحقیق کی ساکھ کو متاثر کرتا ہے۔

۱۵۔ محقق کو اپنی توجہ اصل موضوع پر مرکوز رکھنی چاہیے اور غیر متعلقہ امور میں الجھنے سے گریز کرنا چاہیے۔

۱۶۔ علم کے اظہار کے لیے غیر ضروری طول یا غیر متعلقہ نکات شامل کرنا تحقیق کے وقار کو کم کرتا ہے۔

حنیف نقوی کا اندازِ تحقیق نرالا اور اچھوتا ہونے کے ساتھ چونکا دینے والا ہے۔ عموماً وہ شک کی بنیاد پر بات کو شروع کرتے ہوئے اس کو تہہ در تہہ کھولتے جاتے ہیں۔ مختلف داخلی و خارجی شہادتوں کی روشنی میں وہ قاری کو محولہ قول کے بارے میں نئی نرالی معلومات دیتے ہوئے بات کو آگے بڑھاتے ہیں اور قدم بقدم نتائج اخذ کرتے ہوئے

بات کو آگے بڑھا کر اپنی بات کو دلائل کے ساتھ ختم کر کے قاری کو ایک نئے نظریے سے ہمکنار کر دیتے ہیں۔ حنیف نقوی، گیان چند جین کو اپنا استاد تسلیم کرتے تھے۔ گیان چند جین محقق کی زبان اور پیرایۂ بیان کے سلسلے میں لکھتے ہیں

> ”اگر تحقیقی تحریر کا مقصد یہ ہے کہ اسے پڑھا جائے اور اسے پڑھنے والا اس میں دلچسپی لے تو میں شگفتگی کو اس کا عیب نہیں، حسن قرار دوں گا۔ جہاں حقائق گنائے جائیں وہاں رنگینی و عبارت آرائی سے پرہیز چاہیے، لیکن مضمون کے دوسرے حصوں میں جہاں عمومی بات کہی جائے وہاں اگر اسلوبِ بیان شگفتہ ہو جائے تو کیا حرج ہے؟ کیا محقق کا تصور کسی ہونق، خشونت زدہ ملا ہی کا سا ہونا چاہیے۔“(۴)

حنیف نقوی کی تحریروں کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں کہیں بھی یہ محسوس نہیں ہو گا کہ انھوں بے جا درشتی یا سخت گیری کا مظاہرہ کیا ہو۔ ان ک روش تحقیق نے اعتدال میں رہ کر شیرینی وملائیت اور شگفتہ بیانی کا ایسا طلسمی انداز اختیار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جس سے قارئین مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ان کے اسلوب کا نمونہ ملاحظہ کریں

> ”ان مبادیات کے ضمن میں سب سے پہلی بات ہمیں یہ یاد رکھنا ہوگی کہ غالب اپنے اس اعلان کے باوجود کہ فقیر میں جہاں اور عیب ہیں، ایک یہ بھی عیب ہے کہ جھوٹ نہیں بولتا اور اس دعوے کے باوصف کہ:
>
> صادق ہوں اپنے قول میں غالؔب خدا گواہ
> کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے
>
> صادق القول ہرگز نہیں تھے اور مصلحت کے حدود سے آگے بڑھ کر صرف بطور تفریح جھوٹ بولنے میں بھی مطلق تامل نہیں کرتے تھے۔ اس لیے ہمیں اصل حقیقت تک پہنچنے کے لیے اس بنیادی حقیقت کا بھی اعتراف کرنا ہو گا قمار خانہ قائم کرنے کے جرم میں غالب کی سزایابی ایک ہتک آمیز واقعہ اور تاریخی حقیقت ہے۔ اگر اس سزا اور جرمانے کی وجہ سے ان کی شاعرانہ عظمت میں کوئی فرق نہیں آیا تو یہ تسلیم کر لینے سے بھی کہ جھوٹ بولنا ان کی عادت میں داخل تھا، ان کی قدر و منزلت یقیناً متاثر نہ ہو گی۔“(۵)

ایک اور مقالے میں ان کا اسلوب بے مثال نثر کا نمونہ نظر آتا ہے:

"اگر چہ ان (عزلت) کے ورود سے قبل نادر شاہ کی یورش، احمد شاہ کے حملوں اور مرہٹوں کی تاخت و تاراج کے نتیجے میں اس عروس البلاد (یعنی دلی) کا سہاگ لٹ چکا تھا۔ لیکن دلی پھر بھی ہندوستان کا دل تھی۔ شعر و ادب کا مرکز اور علوم و فنون کا گہوارہ۔ خان آرزو، مرزا مظہر، شاہ حاتم، مرزا سودا، میر تقی میر اور خواجہ میر درد جیسے مشاہیر اور اساتذہ اس کی عظمت کے پاسبانوں اور تقدیس کے ثناخوانوں میں تھے۔ شعر و سخن کی محفلیں آباد تھیں اور فکر و فن کے چراغ روشن۔ متاعِ ہنر کے قدر شناسوں کی اس محفل میں عزلت کا پر تپاک خیر مقدم ہوا۔ وہ اہل دلی کے ہمدم دیرینہ نہ تھے لیکن دلّی والوں نے ان کی ملاقات کو ملاقات مسیحا و خضر سے کم نہ جان کر اپنی ادب نوازی اور جوہر شناسی کا بھرپور ثبوت دیا۔"(۶)

حنیف نقوی کی تحقیق و تنقید کی مہارت نے انھیں اپنے زمانے کے محققین میں ایک منفرد مقام عطا کیا ہے۔ ان کی بیدار علمی بصیرت اور حقائق کی فوری پرکھ کی صلاحیت ان کی علمی برتری کا مظہر ہے۔ ان کی تحریریں نہ صرف دلچسپی اور دلکشی سے بھرپور ہیں بلکہ ان میں ادبیت اور لطافت بھی نمایاں ہے۔ حنیف نقوی کی تحقیق میں صبر و تحمل اور گہرائی سے نتائج اخذ کرنے کا خاص وصف ان کی علمی عظمت کی دلیل ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے نتائج کے حوالے سے انتہائی محتاط رہتے ہیں اور کسی معاملے میں جلد بازی کو پسند نہیں کرتے۔ جدید تنقید کی روشنی اور ہنگامے کے باوجود وہ خاموشی اور ثابت قدمی سے اپنا تحقیقی کام جاری رکھتے ہیں، جو ان کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ اپنی کتاب "غالب۔ آثار و احوال" میں ایک مضمون "غالب کا سالِ ولادت" کا آغاز اس طرح کرتے ہیں

"غالب کے سال ولادت کا قدیم ترین ماخذ ان کا کلیاتِ نظمِ فارسی ہے جس کا نقشِ اوّل موسوم بہ "مے خانۂ آرزو سرانجام" ۱۲۵۰ھ (۳۵-۱۸۳۴ء) میں تیار ہوا تھا۔ اس مجموعے کے خاتمے میں انھوں نے لکھا تھا کہ "تا امروز کہ از ہجرتِ خاتمِ انبیاء علیہ التّحیۃ والثّنا یک ہزار و دوصد و پنجاہ سال گذشتہ، رسد نگارِ طالع من بہ اندازۂ خرامشِ پیکِ آسمانی در مشاہدۂ آثارِ سال سی و ہشتم است۔" ۱۲۵۰ھ میں عمر کی اڑتیسویں منزل سے گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ولادت ۱۲۱۲ھ میں ہوئی تھی۔"(۷)

اس عبارت کو بنیاد بنا کر وہ غالب کی سالِ ولادت ۱۲۱۲ھ ہونے کے چند اور حوالے دیتے ہیں جو بلاشبہ مشہور و

معروف محققین کے ہیں اور غالب کے ایک خط کو بطور داخلی شہادت بھی پیش کرتے ہیں۔ سب سے اہم حوالہ وہ ۱۸۶۳ء میں مطبع نول کشور سے شائع ہونے والے کلیات فارسی کے دوسرے ایڈیشن میں شامل ایک زائچے کو بناتے ہیں۔ اس زائچہ میں غالب کی ولادت کی اطلاع دی گئی تھی۔

> "زائچۂ طالعِ ولادتِ سعادت مطالع جناب غالب مدظلہ العالی کہ بہ وقتِ چار گھڑی پیش از طلوعِ صبح روزِ یکشنبہ ہشتمِ رجب ۱۲۱۴ھ مطابق آغازِ ۱۷۹۸ عیسوی روے دادہ۔"(۸)

سال ۱۲۱۲ھ کے بجائے ۱۲۱۴ھ لکھا جانا مولانا امتیاز علی عرشی کے نزدیک سہوِ کتابت ہو گا کیونکہ اس زائچے کی ایک قدیم ترین نقل فارسی کے اس نسخے میں موجود ہے جو ۱۸۴۸ء میں مرتب ہوا تھا اور اس میں ۱۲۱۲ھ درج ہے۔

حنیف نقوی کا اصول تھا کہ وہ تحقیق کے لیے تمام دستیاب مواد کا باریکی سے جائزہ لیتے تھے۔ غالب کی سالِ ولادت کے بارے میں بھی انھوں نے پہلے سالِ ولادت ۱۲۱۲ھ ہونے کے مطلق شہادتوں کے انبار لگا دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ اس حوالے سے قاری کو شک میں بھی مبتلا کرنے کی بھرپور کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں۔ مضمون میں وہ ایک ایک کر کے غالب کی سالِ ولادت کے بارے میں اپنے شکوک کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ پہلی بات یہ ہے کہ غالب نے کئی مقامات پر اپنی تاریخ ولادت ۱۲۱۲ھ بتائی ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ غالب بے شمار جھوٹ بولتے تھے۔ دلیل کے طور پر حنیف نقوی نے کئی واقعات اور خطوط کا حوالہ دیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ غالب کا حافظہ انتہائی کمزور تھا۔(۹) حنیف نقوی نے دلیل کے طور پر متعدد خطوط کا حوالہ دیا ہے جس میں غالب کو اپنی بات یاد نہیں رہتی۔(۱۰) تیسری بات یہ کہ غالب نے اکثر مقامات پر کسی خاص مدت کا تعین سنہ ہجری کی بنیاد پر کیا ہے جس کی تاویل اگر سن عیسوی کی بنیاد پر کی جائے تو گم راہی ہے راستے کھل جاتے ہیں۔ چوتھی بات یہ کہ غالب نے اپنے اکثر ان خطوط میں، جن میں انھوں نے اپنی زندگی کے واقعات رقم کیے ہیں، تاریخ نہیں ڈالی۔ پانچویں بات یہ کہ غالب زائچہ سازی اور علم نجوم کے ماہر تھے اور اپنی پیدائش کا زائچہ انھوں نے خود بنایا تھا۔ حنیف نقوی نے دلیل میں غالب کی علم نجوم سے شناسائی کے چند واقعات درج کیے ہیں۔ چھٹی بات یہ کہ اکثر ماؤں کو یہ تو یاد رہتا ہے کہ ان کی اولاد کس ماہ یا کس چاند کو کس دن پیدا ہوئی لیکن سال یاد نہیں رہتا۔ لیکن غالب کی والدہ یا کسی بزرگ رشتیدار نے ان کو سال اور مہینہ تو بتایا لیکن دن نہیں بتایا، بالکل بعید از قیاس ہے۔ اس کے بعد وہ غالب کے ایسے اٹھارہ خطوط کے اقتباس پیش کرتے ہیں جن میں وہ اپنی سالِ پیدائش ۱۲۱۲ھ بتاتے ہیں۔ جس کے بعد وہ غالب کے اس قول کہ جس میں انھوں نے کہا تھا کہ "میں آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ میں روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا" کے خلاف غالب ہی کے

خطوط سے حوالے پیش کرتے ہیں جن میں سے وہ بیس شہادتیں ایسی سامنے لاتے ہیں جن میں سے غالب کا سالِ ولادت ۱۲۱۲ھ ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے بعد وہ اس مضمون کے ماحصل کی جانب بڑھتے ہیں۔ شواہد سے وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ غالب ۱۸۱۲ء کے اواخر تک اکبر آباد (آگرہ) میں موجود تھے اور دہلی میں ان کی آمد اور مستقل سکونت کا زمانہ ۱۲۲۷ھ یا ۱۸۱۲ء ہے۔ ۱۸۱۲ء میں وہ اکبر آباد میں موجود تھے تو اس کا مطلب ان کی شادی ۱۸۱۰ء کے بجائے ۱۸۱۲ء میں ہوئی تھی کیونکہ شادی کے فوراً بعد وہ دہلی وارد ہوئے تھے۔ آگے چل کر حنیف نقوی کئی شواہد سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ غالب کی سالِ ولادت ۱۲۱۲ھ کے بجائے ۱۲۰۸ھ ہے۔ غالب ۸ رجب یکشنبہ کو پیدا ہوئے تھے، ۸ رجب ۱۲۱۲ھ کو یکشنبہ نہیں تھا۔ جبکہ ۸ رجب ۱۲۰۸ھ کو تقویم ہجری و عیسوی کے مطابق ۸ فروری ۱۷۹۴ء اور یکشنبے کا دن تھا۔[۱۱] اس مضمون میں حنیف نقوی نے غالب کی سالِ ولادت کے بارے میں اہم انکشاف کیا اور اس میں انھوں نے اتنی شہادتیں پیش کی کہ ماہر غالبیات ان سے اختلاف تو کرتے رہے لیکن ان کو رد نہیں کر سکے۔

اسی طرح اپنی کتاب ''تحقیق و تدوین'' میں ایک اور مضمون ''معاصر شہادتیں اور استناد کا معاملہ'' میں وہ شہادتوں کے غلط ہونے پر بات کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''تحقیق معتبر شواہد کے بغیر کسی دعوے کو قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتی اور معتبر شہادت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہم عصر یا قریب العہد دستاویز پر مبنی ہو۔ لیکن احتیاط کا تقاضا یہ ہے اور یہ تقاضا تمام دوسرے اصول و ضوابط پر مقدم ہے کہ معاصر شہادتوں کو بھی مناسب غور و فکر اور جرح و تعدیل کے بغیر قبول نہ کیا جائے، کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ بیان واقعہ یا نقل روایت کے سلسلے میں راوی یا ناقل نے وہ تمام احتیاطیں ملحوظ رکھی ہوں جو تحقیق کے بنیادی لوازم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انسان کو خطا و نسیان کا مرکب کہا گیا ہے، اس لیے عین ممکن ہے کہ کسی راوی نے محض اپنے حافظے پر انحصار کیا ہو اور اس نے اسے دھوکا دیا ہو یا رواروی میں اس نے کسی واقعے کے مختلف پہلوؤں پر زیادہ غور نہ کیا ہوا اور اس کے نتیجے میں اس سے کوئی بنیادی غلطی سرزد ہو گئی ہو۔ اسی طرح اس بات کا بھی امکان ہے کہ اس نے کسی مصلحت یا صوابدید کی بنا پر عمداً حقائق سے چشم پوشی کی ہو یا اس کے برعکس بالکل غیر ارادی طور پر اس کے قلم سے کوئی ایسی بات نکل گئی ہو جو خلاف واقعہ ہو یا جس کا اعلان و اظہار فی الواقع مطلوب و مقصود نہ ہو۔ بعض اوقات کسی راوی یا ناقل کے بیان میں اس قسم کے کسی سقم یا عیب کی موجودگی کا

علم یا احساس نہ ہونے کی بنا پر جس طرح اسے من و عن قبول کر لیا جانا بہت کی
قباحتوں اور دشواریوں کا سبب بن جاتا ہے اسی طرح بعض حالات میں کسی نقص
ظاہری کو بنیاد بنا کر اس کا رد کر دیا جاتا بھی غلط ثمرات و نتائج کا موجب بن سکتا
ہے۔"(۱۲)

اسی مضمون میں وہ علامہ اقبال کی تاریخ ولادت پر بھی بحث کرتے ہیں۔ ان کے بقول:

"پاکستان اور ہندوستان دونوں جگہ اب عام طور پر یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ وہ ۹
نومبر ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے تھے۔"(۱۳)

علامہ اقبال کی تاریخ ولادت کے بارے میں علامہ اقبال کے صد سالہ جشنِ ولادت کے سلسلے میں حکومت پاکستان کی قائم کردہ ایک کمیٹی نے ولادت کی تاریخ ۹ نومبر تسلیم کی۔ کیونکہ علامہ اقبال نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں اپنی تاریخ ولادت تحریر تین ذی قعد ۱۲۹۴ھ تحریر فرمائی جو عیسوی سن کے اعتبار سے ۹ نومبر ۱۸۷۷ء ہوتی ہے۔ کمیٹی کے سامنے دو اور تاریخیں بھی زیر بحث آئیں جو سیالکوٹ میونسپل بورڈ کے رجسٹر فوتی پیدائش سے ماخوذ تھیں۔ ان میں ایک ۲۲ فروری سنہ ۱۸۷۳ء تھی۔ اس تاریخ کو پیدا ہونے والے لڑکے کی اطلاع لڑکے کے والد "نتھو" نے دی تھی، ایڈریس محلہ کشمیریاں اور قوم کشمیری درج ہے۔(۱۴) جبکہ دوسری تاریخ ۲۹ دسمبر ۱۸۷۳ء کو پیدا ہونے والے لڑکے کی پیدائش کی اطلاع ہے۔ جس کی بھی ولدیت کے خانے میں حسبِ سابق "نتھو" درج ہے، ایڈریس محلہ چوڑی گراں اور قوم مسلمان خیاط درج ہے۔(۱۵)

حنیف نقوی علامہ اقبال کی تاریخ ولادت ۲۹ دسمبر ۱۸۷۳ء سمجھتے ہیں۔ اس تاریخ پر وہ ثبوت فراہم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال کی زوجۂ اول محترمہ کریم بی بی کے بیان کے مطابق ان کے ساتھ شادی کے وقت علامہ کہ عمر ۲۰ سال سے کچھ کم تھی۔ یہ شادی ۴ مئی ۱۸۹۳ء کو ہوئی تھی۔ ۲۹ دسمبر سنہ ۱۸۷۳ء کو تاریخ ولادت مان کر حساب لگانے کی صورت میں اس وقت ان کی عمر انیس سال، چار مہینے، چھے دن ہو گی۔ دوسرے ثبوت میں وہ لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال کو ان کی والدہ نے دن اور مہینہ بتایا ہو گا لیکن سال ان کو یاد نہیں ہو گا۔ پی ایچ ڈی کے مقالے کے لیے علامہ کو اپنے سوانحی کوائف درج کرنے پڑے تو ان کو مبینہ تاریخ ولادت ۳ زی قعدہ سنہ ۱۲۹۴ھ کے بالمقابل سنہ ۱۸۷۶ء تحریر کیا تھا۔ جبکہ یہ تاریخ سنہ ۱۸۷۷ء سے مطابقت رکھتی ہے۔ سنہ ۱۸۷ء میں ذی قعدہ کی تین تاریخ کو جمعے کا دن تھا اس کے برخلاف سنہ ۱۸۷۷ء میں اس تاریخ کو دوشنبہ تھا۔ ان کی اصل تاریخ ولادت یعنی ۲۹ دسمبر ۱۸۷۳ء کو بھی دوشنبے ہی کا دن تھا اور قمری حساب سے اس دن ذی قعدہ سنہ ۱۲۹۰ھ کی نویں تاریخ تھی۔(۱۶)

"غالب اور جہانِ غالب" میں شامل ایک مضمون "غالب کی مہریں" میں وہ مالک رام کی کتاب "فسانۂ غالب"

میں شامل ایک مضمون جس کا عنوان بھی ''غالب کی مہریں'' ہے، کو گرفت میں لاتے ہیں۔ مالک رام نے غالب کی چھ مہروں کا تعارف کرایا تھا جن کے بارے میں مالک رام نے کہا کہ ''مرزا کی یہ مہریں ان کی ذہنی اور نفسیاتی کیفیت اور عام حالات کی مادی ترجمان ہیں۔ ان میں سے دو قدیم ترین مہریں غالب نے ۱۲۳۱ھ میں کندہ کرائی تھیں۔ ان میں سے ایک مہر پر خط نستعلیق میں ''اسد اللہ خاں عرف مرزا نوشہ'' اور دوسری پر خط نسخ میں ''اسد اللہ الغالب'' نقش تھا۔ مالک رام نے پہلی مہر کے نفسیاتی مطالعے سے غالب کی اس زمانے کی سرمستی و رنگینی اور رندی و ہوس کو ظاہر کیا جب کہ دوسری مہر کے بارے میں رائے دی کہ یہ ان کے دلی خیالات و معتقدات کی مظہر ہے۔ مالک رام کے مطابق غالب اپنے عرفی نام ''مرزا نوشہ'' کو بالکل بھی پسند نہیں کرتے تھے۔[۱۷] حنیف نقوی نے ایک ہی سال میں تیار شدہ دو مہروں سے غالب کی دو مختلف مزاجی کیفیات سے انحراف کرتے ہوئے مالک رام کے اس قول کو غلط ثابت کیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے غالب کے خطوط کے حوالے سے کئی داخلی شہادتیں پیش کی جن میں وہ خود کو مرزا نوشہ اور اسد اللہ خان غالب دونوں لکھتے رہے تھے۔ بلکہ حنیف نقوی کے مطابق مرزا نوشہ لکھنا بعض اوقات مصلحتاً غالب کے لیے بہت ضروری تھا۔ مالک رام کے مطابق مرزا غالب نے اپنے عرف ''مرزا نوشہ'' کو ''نالائق'' کہہ کر اس سے بیزاری کا اظہار کیا تھا۔ حنیف نقوی نے غالب کی جانب سے اپنے عرف مرزا نوشہ کو نالائق کہنے کے پیچھے کی کہانی بتائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''عرف کے متواتر استعمال اور اس کے ساتھ شہرت عام کی ان مثالوں کے پیش نظر یہ باور کرنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ غالب واقعتاً اس سے بیزار ہوں گے یا اسے بہ نظر حقارت دیکھتے ہوں گے۔ اس کے باوجود یہ بھی واقعہ ہے کہ انھوں نے ایک دو بار اپنے احباب کو اس کے استعمال سے روکا بھی ہے اور اسے ''نالائق'' قرار دے کر ایک اعتبار سے اس کی مذمت بھی کی ہے، لیکن اس کی وجہ ان کی وہی مصلحت اندیشی اور احتیاط پسندی تھی جو انھیں بہ وقت ضرورت خلاف معمول فیصلے لینے پر مجبور کرتی رہتی تھی۔ فروری ۱۸۲۸ء میں جب وہ اپنی پنشن کا مقدمہ حکومتِ عالیہ کے سامنے پیش کرنے کی غرض سے کلکتے پہنچے تو ایک ''کوہیدہ سیرت'' ہم وطن (مرزا افضل بیگ) نے حکام کو ان کی طرف سے بد ظن کرنے کی غرض سے یہ افواہ اڑادی کہ اس تازہ وارد شخص نے اپنا نام بھی بدل لیا ہے اور تخلص بھی۔ گویا یہ شخص فریبی اور جعل ساز ہے۔ اس افواہ کے زیرِ اثر اعیانِ دفتر کو ان کا نام بہ غرض ملاقات اپنے افسر اعلیٰ تک پہنچانے میں تامل تھا، کیوں کہ

> سرکاری کاغذات کے مطابق خاندانی پنشن ''مرزا نوشاہ'' کے نام جاری ہوئی تھی اور وہ ''مرزا نوشہ متخلص بہ اسد'' کی منزل سے آگے بڑھ کر اب ''اسد اللہ خاں غالب'' کے طور پر روشناس خلق تھے۔ اس مرحلۂ دشوار سے نپٹنے کے لیے مرزا صاحب نے اپنے دیوان اردو کے ایک قلمی نسخے کا سہارا لیا جسے مرتب ہوئے سات سال سے کچھ زیادہ مدت گزر چکی تھی اور اس سفر میں اتفاقاً ان کے ساتھ تھا۔ اس دیوان میں وہ غزلیں بھی شامل تھیں جن کے مقطعوں میں پرانا تخلص (اسد) موجود تھا اور وہ غزلیں بھی جن میں نیا تخلص (غالب) نظم ہوا تھا۔ مزید بر آں اس کے خاتمے پر ۱۲۳۱ھ کی وہ مہر بھی ثبت تھی جس کے نگینے پر اسد اللہ خاں عرف مرزا نوشہ نقش تھا۔ غالب نے یہ دیوان ایک خط کے ساتھ ''سر حلقۂ افرادِ دفتر'' (غالباً سائمن فریزر) کی خدمت میں پیش کر دیا تا کہ وہ بہ طور خود فیصلہ کر سکیں کہ یہ افواد کس حد تک درست ہے۔''[۱۸]

حنیف نقوی نے ادبی موضوعات پر تحقیقی مقالے تو بہت لکھے لیکن جب تمام محققین خطوطِ غالب کا مختلف رخوں سے جائزہ لے رہے تھے حنیف نقوی نے غالب کے خطوط کی مدد سے ''غالب کے عہد میں ڈاک کا نظام''[۱۹] جیسے غیر ادبی موضوع کے متعلق مضمون لکھا اور حنیف نقوی کی فراہم کردہ اطلاعات اتنی مکمل ہیں کہ اس مقالے کو شاہکار قرار دیا جا سکتا ہے۔ قدیم ڈاک کے نظام پر حنیف نقوی نے بہت اعلیٰ معلومات فراہم کی ہیں مضمون میں فراہم کردہ معلومات (جو غالب کے خطوط سے اخذ کی گئی ہے) کے مطابق غالب کے زمانے میں دہلی میں ڈاک کا نظام دو متوازی طریقوں سے کام کر رہا تھا۔ ایک انگریزوں کا سرکاری ڈاک نظام تھا، جو اپنی محفوظ اور منظم ترسیل کے لیے مشہور تھا، اور دوسرا مقامی ہندوستانی نظام تھا، جو ٹھیکیداروں اور پیشہ ور ہرکاروں کے ذریعے چلتا تھا۔ انگریزی نظام کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں خط غائب ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا، لیکن یہ نظام پورے ملک میں موجود نہیں تھا۔ اس کے برعکس، ہندوستانی نظام پورے ملک میں پھیلا ہوا تھا لیکن اکثر غیر محفوظ ہوتا تھا، اور غالب کو خطوط کے غائب ہو جانے کی شکایات عام تھیں۔ غالب کے خطوط سے پتا چلتا ہے کہ خطوط کی ترسیل عام طور پر تیز رفتار گھوڑوں یا پیدل ہرکاروں کے ذریعے کی جاتی تھی جبکہ صحرائی علاقوں میں اونٹ سوار ہرکارے بھیجے جاتے تھے۔ ۱۸۶۰ میں دہلی کو ریل کے ذریعے ملک کے اہم شہروں سے منسلک کیا گیا، جس کے بعد خطوط کی ترسیل میں مزید تیزی آ گئی، اور ہرکارے ریل پر سفر کرنے لگے۔ غالب کے خطوط سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ دہلی سے مختلف شہروں کے درمیان ڈاک پہنچنے کے وقت کا انحصار فاصلے اور راستوں کی نوعیت پر ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر، دہلی سے

علی گڑھ کی ڈاک دوسرے دن پہنچ جاتی تھی، دہلی سے آگرہ کی ڈاک دو یا تین دن میں، جبکہ دہلی سے کلکتے ڈاک پہنچنے میں ۱۴ سے ۱۵ دن لگتے تھے۔ دیگر شہروں، جیسے حیدرآباد اور سورت تک ڈاک پہنچنے میں ۱۰ سے ۱۲ دن درکار ہوتے تھے۔ دہلی میں ڈاک خانہ صبح سویرے کھل جاتا تھا اور دوپہر تک ڈاک وصول کی جاتی تھی۔ ہفتے کے ساتوں دن ڈاک خانہ کھلا رہتا تھا، اور دن میں دو مرتبہ ڈاک کی تقسیم ہوتی تھی۔ خطوط، پارسل، اور رجسٹری شدہ کاغذات کی مکمل جانچ پڑتال کے بعد ترسیل کی جاتی تھی۔ ابتدا میں ڈاک کے محصول کے لیے ٹکٹوں کا کوئی رواج نہیں تھا، اور خط کے وزن کے مطابق محصول وصول کیا جاتا تھا۔ اگر کسی خط کا محصول پیشگی ادا نہ کیا گیا ہوتا تو اسے بیرنگ خط کہا جاتا، اور وصول کنندہ کو دگنا محصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ ۱۸۵۴ میں ڈاک ٹکٹوں کا رواج شروع ہوا، جس نے اس نظام کو مزید سہولت بخش اور شفاف بنادیا لیکن غالب کو اس سے کئی پریشانیاں تھیں جس کا انھوں نے اپنے خطوط میں بار بار ذکر کیا تھا۔ لفافے اور پارسل کے لیے بھی مختلف اصول تھے۔ لفافے عام طور پر خود بنائے جاتے تھے، اور ان پر الگ سے محصول عائد ہوتا تھا۔ اگر لفافے کا وزن تین ماشے سے زیادہ ہوتا، تو دگنا محصول وصول کیا جاتا۔ رجسٹرڈ ڈاک کا الگ نظام تھا، اور اس کا محصول ۲۵ پیسے مقرر تھا۔ غالب کے دور میں منی آرڈر کا نظام موجود نہیں تھا۔ اس وقت لوگ خط میں نقد رقم لپیٹ کر بھیجتے تھے، غالب اپنے خطوط میں رقم ملنے کا ذکر کرتے رہے ہیں۔ خطوط کی ترسیل میں یہ اصول بھی تھا کہ خط صرف مکتوب الیہ کو دیا جاتا تھا۔ اگر وصول کنندہ موجود نہ ہوتا تو ہرکارہ خط واپس لے آتا۔

اپنی ایک اور کتاب ”رجب بیگ سرور۔ چند تحقیقی مباحث“ میں وہ رجب علی بیگ سرورؔ کے حوالے سے اپنی تحقیق کے جوہر دکھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سُرورؔ کی تاریخ وفات پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ اپنے مضمون ”مرزا رجب علی بیگ سُرور اور بنارس“ میں وہ لکھتے ہیں:

> ”رجب علی بیگ سرور کا انتقال بنارس ہی میں ہوا لیکن ان کی صحیح تاریخ وفات اب تک کسی معتبر ذریعے سے نہیں معلوم ہو سکی ہے۔ جو معاصر بیانات موجود ہیں ان میں باہم اختلاف ہے۔ ڈاکٹر نیر مسعود نے اس سلسلے کے مختلف بیانات کے تجزیے اور تطابق کے بعد ایک مدتِ محدودہ کے تعین کی کوشش کی ہے۔ لیکن راقم السطور کے نزدیک ان کے اخذ کردہ نتائج بھی من وعن قابل قبول نہیں۔“[۲۰]

اس مضمون میں بھی حنیف نقوی حسبِ سابق بہت سی شہادتیں پیش کرتے ہیں جن سے رجب علی بیگ سرور کی تاریخ وفات کے سلسلے میں اختلافات واضح ہوتے ہیں۔ حنیف نقوی تحقیق میں انکشافِ حقائق کے ساتھ استخراجِ نتائج کے قائل تھے۔ رجب علی بیگ سرور کی تاریخ وفات پر وہ تمام اختلاف واضح کرتے ہیں جن کے مطابق منشی دیبی پرشاد نے ۱۲۸۴ھ، لالہ سری رام نے ۱۲۸۵ھ، سید محمد علی جویا مرادآبادی نے ۱۲۸۶ھ، تاریخ

ادب اردو میں رام بابو سکسینہ نے ۱۸۶۷ء، گارساں دتاسی نے ۱۸۶۸ء اور اخبار سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ نے ۱۸۶۹ء میں رجب علی بیگ سرور کی وفات بتائی ہے۔ حنیف نقوی کے مطابق رجب علی بیگ کی تاریخ وفات کا اہم ترین ماخذ "تاریخ بنارس" ہے جس کے مصنف حکیم مظہر حسین کوڑوی دربار بنارس سے تعلق کی وجہ سے سرور کے تمام معاصرین میں سب سے معتبر حیثیت رکھتے ہیں۔ کتاب میں سے شہادتیں پیش کر کے وہ اپنے بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں

> "اس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ سرور ۶ ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ مطابق ۸ جولائی ۱۸۵۹ء کو بنارس پہنچے اور چار دن شہر میں قیام کے بعد سہ شنبہ دسویں ذی الحجہ مطابق ۱۲ جولائی کو رام نگر منتقل ہوئے۔ اگلے روز انھیں مہاراجا ایشوری پرشاد نرائن سنگھ کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل ہوا۔ تقویم ہجری کے مطابق دس سال، چند یوم اور سنہ عیسوی کے حساب سے نو برس نو ماہ کے قریب دربار بنارس سے وابستہ رہنے کے بعد ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ (۱۵ مارچ تا ۱۳ اپریل ۱۸۶۹ء) کے اواخر میں رام نگری میں تقریباً پچاسی سال کی عمر میں انتقال ہوا۔"(۲۱)

"میر و مصحفی" بھی حنیف نقوی کے تحقیقی مضامین پر مشتمل کتاب ہے۔ اس کتاب میں شامل ایک مضمون "میر کے دیوان سوم کا ایک نادر قلمی نسخہ" میں جہاں انھوں نے نسخے کی مندرجات پر بات کی ہے، وہیں ایک اہم بات دریافت کی ہے۔ یہ نسخہ مہاراجہ محمود آباد کے کتب خانے میں موجود تھا۔ نسخے پر واجد علی شاہ کی مہر لگی ہوئی تھی۔ چونکہ حنیف نقوی معمولی سی باتوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ مہر دیکھ کر انھوں نے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ نسخہ اودھ کے شاہی کتب خانے میں موجود تھا۔ ان کے بقول

> "واجد علی شاہ کی مہر کی موجودگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ دیوانِ میر کا یہ نسخہ کم از کم ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۷ء) تک جو ان کا پہلا سال جلوس ہے، اودھ کے شاہی کتب خانے میں موجود تھا۔ اس کے بعد کسی وقت اس کتب خانے سے چرایا گیا اور خیانت کے اس عمل کو چھپانے کے لیے شاہی مہروں پر چپاں لگا دی گئیں، حتیٰ کہ اس کے آخری مالک نے اسی صورت میں اسے لالہ سری رام کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ شاہی کتب خانے سے کتابوں کی چوری، غاصبانہ دستبرد اور بے دریغ لوٹ کے متعدد واقعات اس زمانے کی تاریخوں میں محفوظ ہیں۔"(۲۲)

شاہی کتب خانوں سے چوری کی وہ متعدد شہادتیں بھی پیش کرتے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ شاہی کتب خانوں

کے ملازمین صرف کتابوں کی تعداد کو گنتے تھے۔ قیمتی کتاب اٹھا کر اس کی جگہ کوئی دوسری عام کتاب رکھ کر گنتی پوری کر لی جاتی تھی۔

حنیف نقوی نے غالب کی فارسی تصانیف اور مکتوبات پر بھی کام کیا تھا۔ "غالب کی چند فارسی تصانیف" اور "غالب کے فارسی خطوط" مرتب کرنے کے علاوہ انھوں نے "پنج آہنگ" کو بھی تقدیم کے ساتھ شائع کرایا۔ غالب کے محققین نے ان کے اردو خطوط کا باریک بینی سے مطالعہ کیا اور ان سے مفید نتائج اخذ کیے۔ لیکن حنیف نقوی کے مطابق غالب نے اردو خطوط عمر کے آخری بیس بائیس سال لکھے تھے۔ ان کی نثر میں ابتدا فارسی خطوط سے ہوئی تھی۔ حنیف نقوی نے پنج آہنگ، باغِ دودر، متفرقاتِ غالب، مآثرِ غالب اور نامہ ہائے فارسی غالب میں شامل فارسی خطوط کا بغور جائزہ لیا اور حاصلِ مطالعہ کو اپنے مضامین کا حصہ بنایا۔ کتاب میں شامل مضمون "غالب کی فارسی مکتوب نگاری"[۲۳] میں وہ خطوط سے غالب کی زندگی کے چند گوشے دریافت کرتے ہیں۔ ان کے مطابق غالب کے کل دستیاب فارسی خطوط کی تعداد ۳۵۵ ہے۔[۲۴] ان کا سب سے قدیم دستیاب فاری خط دسمبر ۱۸۲۳ء کا ہے۔ اردو میں خطوط نگاری سے برسوں پہلے غالب فارسی خطوط میں بھی رسمی القاب و آداب کو ترک کرنے اور ذوق ہم زبانی، کے انداز کو اختیار کرنے پر فخر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ غالب ایام جوانی ہی میں رات کا کھانا ترک کر چکے تھے اور صرف دن کا کھانا کھاتے تھے اس بنا پر وہ خود کو "نیمہ آدمی" یعنی آدھا انسان شمار کرتے تھے۔ قمار خانہ قائم کرنے کے الزام میں امیری کے واقعے سے پہلے غالب کے مکان پر رات کے وقت احباب کا اجتماع روز کا معمول تھا۔ غالب کی والدہ ۲۹-۱۸۲۸ء تک بہ قید حیات تھیں اور وہ انھیں آگرے سے زر نقد کی صورت میں کچھ بھیجتی بھی رہتی تھیں۔[۲۵]

حنیف نقوی کے مطابق غالب کے فارسی خطوط سے پتا چلتا ہے کی کلتے میں غالب کے خلاف ادبی معرکہ آرائی ایک منصوبہ بند سازش کا نتیجہ تھی، جس کے اصل بانی مبانی غالب کے حقیقی بہنوئی مرزا اکبر بیگ کے چھوٹے بھائی مرزا افضل بیگ تھے، جو خواجہ حاجی کے برادر نسبتی تھے۔ وہ اس سازش کے ذریعے پنشن کے مقدمے میں اپنے بھانجوں یعنی خواجہ حاجی کے بیٹوں کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے۔ یہ غلط مشہور ہے کہ کلکتے میں غالب کے کلام پر حریفوں کی طرف سے اعتراضات کی یا خار بر سر مشاعرہ ہوئی تھی۔[۲۶] واقعہ یہ ہے کہ یہ کارروائی دوسرے مشاعرے کے ایک ہفتے کے بعد اور تیسرے مشاعرے سے تین ہفتے قبل شروع ہوئی تھی۔ بعض محققین کا یہ بیان غلط ہے کہ کلکتے کے مذکورہ بالا مشاعرے ہفتہ بہ ہفتہ منعقد ہوتے تھے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ان کا انعقاد ہر انگریزی مہینے کے پہلے اتوار کو ہوتا تھا۔ فارسی خطوط کے مطالعے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ غالب ارباب اقتدار اور اہل علم دونوں سے

تعلقات قائم کرنے اور ایک بارنامہ و پیام کا سلسلہ شروع ہو جانے کے بعد اسے استوار رکھنے کی فکر میں سر گرداں رہتے تھے۔ اعتقاد الدولہ نوروز خاں وابستہ دربار اودھ، نواب تجمل حسین خاں والی فرخ آباد، نواب مختار الملک سالار جنگ وزیر اعظم حیدر آباد، امین الدولہ آغا علی خان مہر صاحبزادہ معتمد الدولہ اور شہزادہ بشیر الدین نبیرہ ٹیپو سلطان سے ان کی فارسی خط کتابت اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

حنیف نقوی نے محقق ہونے کے ساتھ متنی نقاد بھی تھے۔ انھوں نے نہ صرف خود متن ترتیب دیئے بلکہ مرتب متنوں کی اصلاح بھی کی۔ وہ ادب کے سنجیدہ مطالعے میں متن کی صحیح قرأت کو خشتِ اول کا درجہ دیتے تھے۔[۲۷] متن کی تحقیق ان کے نزدیک ایک اہم ذمے داری ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں

> "متن کی تحقیق و تدوین نہایت پیچیدہ اور دقت طلب کام ہے۔ اس کے اصول و آداب سے پوری طرح واقفیت اور ان کے مکمل پاس و لحاظ کے بغیر یہ مہم کامیابی کے ساتھ سر نہیں کی جاسکتی۔"[۲۸]

اپنے مضمون "منشاے مصنف سے انحراف- مُحرکات اور اسباب"[۲۹] میں وہ متن کی تدوین کے حوالے سے انتہائی سیر حاصل بحث کرتے ہیں اور کئی اہم متنوں کی خامیاں بتاتے ہی۔ حنیف نقوی نے امام بخش ناسخ کے دیوانِ دوم میں ان کے شاگرد میر علی اوسط رشک کی جانب سے مبینہ تحریفات کے اندیشے کے پیش نظر "دیوان ناسخ" کو ایک مفصل مقدمے کے ساتھ شائع کیا۔ مقدمے میں حنیف نقوی نے ان تحریفات کا جائزہ لیا ہے جو محققین کے مطابق رشک نے دیوان میں کی ہیں۔ رشید احمد خاں اس حوالے سے لکھتے ہیں

> "ناسخ کے تیسرے دیوان کا نام "دفتر شعر" ہے۔ جس سے سالِ ترتیب ۱۲۵۴ھ نکلتا ہے۔ یہی ناسخ کا سالِ وفات ہے۔ یہ نام رشک کا رکھا ہوا ہے۔ خیال یہ ہے کہ ناسخ کے مرنے کے بعد اس کی ترتیب بھی رشک نے ہی کی ہو گی اور اس خیال سے کہ اس میں غزلیں کم ہو نگی، شاید ہر ردیف کی غزلیں بھی مکمل نہ ہوں، جس کو اس زمانے میں تکمیلِ دیوان کے لیے ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے تیسرے دیوان کی غزلیں ہر ردیف کے ذیل میں دوسرے دیوان ہی میں شامل کر دی گئیں۔ زیادہ امکان اسی کا ہے کہ یہ کام بھی رشک نے انجام دیا ہو گا۔"[۳۰]

حنیف نقوی نے دیوان ناسخ کا ایک مستند نسخہ دریافت کر کے اس کو مطبوعہ نسخے سے موازنہ کیا تو کئی جگہ پر تحریفات نظر آئیں جن کا انھوں نے مقدمے میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ۱۲ غزلوں کو پیش کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں

"دونوں دیوانوں کی ابتدائی ۱۲۔۱۲ غزلوں کے اس تقابلی جائزے کے نتیجے میں جو صورتحال سامنے اتی ہے وہ یہ ہے کہ دیوانِ قلمی کی ۱۲ غزلوں میں سے دو مکمل غزلیں جن کے اشعار کی مجموعی تعداد ۱۴ ہے دیوانِ مطبوع میں نہیں ملتی اور باقی ۱۰ غزلوں کے کل ۱۵۰ شعروں میں سے ٦٧ شعر بھی اس دیوان میں موجود نہیں۔ جبکہ دیوان مطبوعہ کی ۱۲ غزلوں میں سے ۹۸ اشعار پر مشتمل چھ غزلیں اور باقی چھ غزلوں کے ۱۰۵ شعروں میں سے ۵۵ اشعار دیوان قلمی میں نہیں پائے جاتے۔ اگر موخر الذکر دیوان میں زاید اشعار اور غزلوں کی دستیابی تحقیق و تدوین کے نقطہ نظر سے اس انتہائی اہم حقیقت کے مظہر ہے کہ ترتیبِ جدید کے وقت اس کے نقش اول میں وسیع پیانے پر تبدیلیاں کی گئی ہیں تو دیوان قلمی میں فاضل غزلوں اور شعروں کی موجودگی لسانی و فنی پہلوؤں سے کلام ناسخ کے مطالعے کے نئے امکانات کی طرف رہبری کرتی ہے۔"(۳۱)

"انتخابِ کربل کتھا" کے مقدمے میں وہ کربل کتھا کی درست قرائت کے حوالے سے مسائل اور غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ساتھ میں وہ کربل کتھا کے مصنف کے حوالے سے غلط فہمیوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اشاعت ثانی کے مرتبین نے فضلی کی پنجابی زبان سے ماہرانہ واقفیت اور اس کے محاورے اور لہجے پر ان کی حاکمانہ دسترس کے ثبوت فراہم کرکے کربل کتھا کا لسانی رشتہ پنجابی کے حلقۂ نفوذ واثر سے ملانے کی کوشش کی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس ضمن میں جن الفاظ و محاورات سے استدلال کیا گیا ہے، ان میں سے ایک محاورے (گھنڈی پڑنا) کے علاوہ کوئی لفظ ایسا نہیں جو زمانہ قدیم سے فضلی کے زمانے تک اردو میں بہ کثرت مستعمل اور بالعموم مروج نہ ہو۔ انشانے "دریائے لطافت" میں مصادر میں علامت مصدری (نا) سے قبل واؤ کے اضافے یعنی آنا، اور جانا کی بجاے "آوَنا" اور "جاوَنا" کے استعمال کو پنجابی کی ایک امتیازی خصوصیت قرار دیا ہے۔ کربل کتھا کے مرتبین نے فضلی کی زبان کی اس خصوصیت کی طرف توجہ نہیں فرمائی ہے، لیکن یہاں بھی اس حقیقت کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انشا کا یہ خیال درست نہیں کیونکہ علامت مصدری سے قبل واؤ کے

اس اضافے کی مثالیں اٹھارہویں صدی کے دہلوی شعرا کے یہاں بہ کثرت موجود ہیں۔"[۳۱]

حنیف نقوی کی تحقیق اصول و اسلوب کے اعتبار سے اردو ادب میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ ان کے علمی سفر میں تحقیق کے وہ اصول نمایاں نظر آتے ہیں جو نہ صرف روایتی اقدار کو تقویت دیتے ہیں بلکہ جدید تحقیقاتی رجحانات کے لیے بھی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ ان کے مقالات اور تصانیف میں اصول تحقیق کی واضح جھلک دکھائی دیتی ہے، جہاں وہ حقائق کی جانچ، ماخذوں کی صداقت، اور موضوع کی گہرائی تک پہنچنے کی صلاحیت کے ساتھ تحقیق کے میدان میں اپنی مہارت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

حنیف نقوی کا اسلوب، ان کی سادگی، علمی دیانت داری اور فکر کی جامعیت کو نمایاں کرتا ہے۔ ان کی تحریریں زبان و بیان کے لحاظ سے شفاف، منطقی اور مدلل ہیں، جو قارئین کو تحقیق کی اہمیت اور اس کے تقاضوں سے روشناس کراتی ہیں۔ ان کے اصول تحقیق اور اسلوب نے اردو تحقیق کو ایک نئی جہت دی، جس سے نہ صرف ان کے ہم عصر بلکہ آنے والی نسلیں بھی استفادہ کر سکتی ہیں۔

یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ حنیف نقوی کی تحقیق نہ صرف ان کے ذاتی تجربات اور علمی بصیرت کا مظہر ہے بلکہ اردو ادب کے لیے ایک قیمتی سرمایہ بھی ہے۔ ان کے اصول و اسلوب تحقیق کے میدان میں روشنی کا مینار ہیں، جو تحقیق کے سنجیدہ طالب علموں کے لیے ہمیشہ رہنمائی فراہم کریں گے۔ ان کی علمی خدمات اردو ادب کی تحقیقاتی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر سیّد حسن عباس (مرتب)،ارمغانِ علمی، نذرِ پروفیسر حنیف نقوی (سیوان: مرکز تحقیقاتِ اردو و فارسی گوپال پور، ۲۰۱۰ء)، ص ۲۳

۲۔ شمیم حنفی، پروفیسر حنیف نقوی، مشمولہ ہفت روزہ ہماری زبان، جلد ۷۴، یکم تا ۲۸ اکتوبر ۲۰۱۵ء، شمارہ ۳۷، (نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند)، ص ۲

۳۔ غلام مصطفٰے خان، تنقید و تحقیق، (کراچی: شہر زاد، ۲۰۰۱ء)، ص ۲۴۵

۴۔ ڈاکٹر گیان چند جین، حقائق، (الہ آباد:، اشاعتی ادارہ ندارد، ۱۹۷۸ء)، ص ۸۶

۵۔ پروفیسر حنیف نقوی، غالب۔ احوال و آثار، (نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۰۷ء)، ص ۲۵، اشاعت دوم

۶۔ تلاش و معارف، (لکھنؤ: نصرت پبلشرز، ۱۹۸۷ء)، ص ۱۲-۱۳

۷۔ غالب۔ احوال و آثار، محولہ بالا، ص ۲۱

۸۔ ایضاً، ص ۲۲

۹۔ ایضاً، ص ۲۴
۱۰۔ ایضاً، ص ۴۱
۱۱۔ ایضاً، ص ۴۴
۱۲۔ تحقیق و تدوین۔ مسائل اور مباحث، (وارانسی: ناشر مصنف، ۲۰۱۰ء)، ص ۲۷-۲۸
۱۳۔ ایضاً، ص ۳۷
۱۴۔ ایضاً، ص ۳۸
۱۵۔ ایضاً، ص ۳۸
۱۶۔ ایضاً، ص ۴۰
۱۷۔ غالب اور جہانِ غالب، (نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۱۲ء)، ص ۱۴
۱۸۔ ایضاً، ص ۲۰، ۲۱
۱۹۔ غالب۔ احوال و آثار، محولہ بالا، ص ۱۱۹
۲۰۔ رجب علی بیگ سرور۔ چند تحقیقی مباحث، (نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۱ء)، ص ۱۷
۲۱۔ ایضاً، ص ۲۷
۲۲۔ میر و مصحفی، (دہلی، ۲۰۰۳ء ناشر مصنف)، ص ۱۴
۲۳۔ غالب کے فارسی خطوط، (نئی دہلی: غالب انسٹیٹیوٹ، ۲۰۱۵ء)، ص ۱۳
۲۴۔ ایضاً، ص ۱۸
۲۵۔ ایضاً، ص ۲۵
۲۶۔ ایضاً، ص ۲۷
۲۷۔ تحقیق و تدوین۔ مسائل اور مباحث، ص ۱۲۴
۲۸۔ ایضاً، ص ۱۳۷
۲۹۔ ایضاً، ص ۶۵
۳۰۔ رشید حسن خان، انتخابِ ناسخ، (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۱۷۔۱۱۸
۳۱۔ شیخ امام بخش ناسخ، دیوانِ ناسخ، (عکسی ایڈیشن)، نسخۂ بنارس، تقویم ڈاکٹر حنیف نقوی، (پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۷)، ص ۲۴۔۲۵
۳۲۔ پروفیسر حنیف نقوی (مرتب)، انتخاب کربل کتھا، (لکھنؤ: اترپردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۱ء)، ص ۱۹، طبع دوم

ماخذ

۱۔ جین، گیان چند، ڈاکٹر، حقائق، الٰہ آباد: اشاعتی ادارہ ندارد، ۱۹۷۸ء
۲۔ خان، رشید حسن خان، انتخابِ ناسخ، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، ۲۰۱۱ء
۳۔ خان، غلام مصطفےٰ، تنقید و تحقیق، کراچی: شہر زاد، ۲۰۰۱ء
۴۔ عباس، حسن، سیّد، ڈاکٹر (مرتب)، ارمغانِ علمی، نذرِ پروفیسر حنیف نقوی، سیوان: مرکز تحقیقاتِ اردو و فارسی گوپال

پور، ۲۰۱۰ء
۵۔ ناسخ، امام بخش، شیخ، دیوانِ ناسخ، (عکسی ایڈیشن)، نسخۂ بنارس، تقویم ڈاکٹر حنیف نقوی، پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۷
۶۔ نقوی، حنیف، پروفیسر، غالب۔ احوال و آثار، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۰۷ء، اشاعت دوم
۷۔ ____، تلاش و معارف، لکھنؤ: نصرت پبلشرز، ۱۹۸۷ء
۸۔ ____، تحقیق و تدوین۔ مسائل اور مباحث، وارانسی: ناشر مصنف، ۲۰۱۰ء
۹۔ ____، غالب اور جہانِ غالب، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۱۲ء
۱۰۔ ____، رجب علی بیگ سرور۔ چند تحقیقی مباحث، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۱ء
۱۱۔ ____، میر و مصحفی، دہلی، ناشر مصنف، ۲۰۰۳
۱۲۔ ____، غالب کے فارسی خطوط، نئی دہلی: غالب انٹیٹیوٹ، ۲۰۱۵ء
۱۳۔ ____، (مرتب)، انتخاب کربل کتھا، لکھنؤ: اترپردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۱ء، طبع دوم

رسائل و جرائد

۱۔ ہفت روزہ ہماری زبان، جلد ۷۴، شمارہ ۳۷، (یکم تا ۲۸ اکتوبر ۲۰۱۵ء)، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند

ویب گاہ

۱۔ https://www.rekhta.org/

Refrences:

1. Dr. Syed Hasan Abbas, Ed. *Armughan-e-Ilmi, Nazar-e-Professor Hanif Naqvi* (Siwan: Markaz-e-Tahqiqat-e-Urdu o Farsi Gopalpur, 2010), p. 23
2. Shamim Hanafi, *Professor Hanif Naqvi*, in weekly *Hamari Zaban* , Vol. 74, No. 37, (1st to 28th October 2015) p. 2
3. Khan, Ghulam Mustafa, Dr., *Tanqeed o Tahqeeq* (Karachi: Shehzadah, 2001) p. 245
4. Jain, Gyan Chand, Dr., *Haqaiq*, (Allahabad: Publisher not mentioned, 1978), p. 86
5. Prof. Hanif Naqvi, *Ghalib: Ahwal o Asar*, (New Delhi: Ghalib Institute, 2007), p. 25, 2nd Ed.
6. Hanif Naqvi, *Talash o Ma'arif*, (Lucknow: Nusrat Publishers, 1987), pp. 12–13
7. Ibid, *Ghalib: Ahwal o Asar*, p. 21
8. Ibid, p. 22
9. Ibid, p. 24
10. Ibid, p. 41
11. Ibid, p. 44

12. Ibid, *Tahqeeq o Tadween: Masail aur Mabahis*, (Varanasi: 2010, Self published), pp. 27–28
13. Ibid, p. 37
14. Ibid, p. 38
15. Ibid, p. 38
16. Ibid, p. 40
17. Ibid, *Ghalib aur Jahan-e-Ghalib*, (New Delhi: Ghalib Institute, 2012), p. 14
18. Ibid, *Ghalib aur Jahan-e-Ghalib*, pp. 20–21
19. Ibid, *Ghalib: Ahwal o Asar*, p. 119
20. Ibid, *Rajab Ali Baig Suroor: Chand Tahqiqi Mabahis*, (New Delhi: Anjuman Taraqqi Urdu Hind), 1991), p. 17
21. Ibid, p. 27
22. Ibid, *Meer o Mus'hafi*, (Delhi: Self published, 2003) p. 14
23. Ibid, Professor, *Ghalib ke Farsi Khutoot* (New Delhi: Ghalib Institute, 2015), p. 13
24. Ibid, p. 18
25. Ibid, p. 25
26. Ibid, p. 27
27. Ibid, *Tahqeeq o Tadween: Masail aur Mabahis*, p. 124
28. Ibid, p. 137
29. Ibid, p. 65
30. Rasheed Hasan Khan, *Intikhab-e-Nasikh*, (Nai Dilli: Maktaba Jamia, 2011), pp. 117–118
31. Sheikh Imam Bakhsh Nasikh, *Diwan-e-Nasikh* (Aksi edition), nuskha Banaras, taqweem Dr. Hanif Naqvi (Patna: Khuda Bakhsh Oriental Public Library, 1997) pp. 24–25
32. Hanif Naqvi, Ed, *Intikhab Karbal Katha*, (Lucknow: Uttar Pradesh Urdu Academy, taba'e doyam, 1991), p. 19

Bibliography:

1. Abbas, Hasan, Syed, Dr., Ed. *Armughan-e-Ilmi, Nazar-e-Professor Hanif Naqvi*, Siwan: Markaz-e-Tahqiqat-e-Urdu o Farsi Gopalpur, 2010
2. Jain, Gyan Chand, Dr., *Haqaiq*, Allahabad: Publisher not mentioned, 1978
3. Khan, Ghulam Mustafa, Dr., *Tanqeed o Tahqeeq*, Karachi: Shehzadah, 2001
4. Khan, Rasheed Hasan, *Intikhab-e-Nasikh*, New Delhi: Maktaba Jamia, 2011
5. Nasikh, Imam Bakhsh, Sheikh, *Diwan-e-Nasikh* (Aksi edition), Banaras manuscript, Alamanac compiled by Dr. Hanif Naqvi, Patna: Khuda Bakhsh Oriental Public Library, 1997
6. Naqvi, Hanif, Prof., *Ghalib: Ahwal o Asar*, New Delhi: Ghalib Institute, 2007, 2nd Ed.
7. ____, *Talash o Ma'arif*, Lucknow: Nusrat Publishers, 1987
8. ____, *Tahqeeq o Tadween: Masail aur Mabahis*, Varanasi: 2010, Self published
9. ____, *Ghalib aur Jahan-e-Ghalib*, New Delhi: Ghalib Institute, 2012

10. ____, *Rajab Ali Baig Suroor: Chand Tahqiqi Mabahis*, New Delhi: Anjuman Taraqqi Urdu Hind), 1991
11. ____, *Meer o Mus'hafi*, Delhi: Self published, 2003
12. ____, *Ghalib ke Farsi Khutoot*, New Delhi: Ghalib Institute, 2015
13. ____, Ed, *Intikhab Karbal Katha*, Lucknow: Uttar Pradesh Urdu Academy, taba'e doyam, 1991

Magazine

1. weekly *Hamari Zaban* , Vol. 74, No. 37, (1st to 28th October 2015)

Website

1. https://www.rekhta.org/

۞۞